آغا عبدالواسع

(ایک آیت)

سورۃ والعصر

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۥ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ -

قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع و نقصان ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضیع عمر کے) بڑے خسارے میں ہیں مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے -

قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں بہت چھوٹی ہیں مگر بڑی جامع ہیں - ان میں مختصر ترین سورتیں تین آیات پر مبنی ہیں - سورۃ العصر جامع ترین سورت ہے اور مختصر بھی - اس نے بڑی خوب صورتی سے قرآن مجید کے تمام مضامین کو اپنے اندر سمو لیا ہے -

امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جب دو شخص باہم ملتے تو وہ جدا نہیں ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کو سورۃ عصر نہیں سنا لیتے تھے -

حافظ ابنِ کثیر نے حضرت امام شافعیؒ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کریں تو ان کی ہدایت کے لیے یہی کافی ہے - اگر اس سورت کے سوا قرآن میں کچھ نازل نہ ہوتا تو یہی سورت کافی تھی -

مولانا فراہی نے اسے جامع کلم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سورت ایک بیج کے مانند ہے جس سے تعلیماتِ قرآنی کے برگ و بار پھوٹتے ہیں -

یہ سورہ سہل ممتنع کی اعلیٰ مثال ہے - اس کے الفاظ بالکل سادہ ہیں، کوئی لفظ مشکل نہیں، مگر ان میں معانی کا دریا بہ رہا ہے -

پہلی آیۃ قسم ہے جو اس پر کھائی گئی کہ انسان خسارے میں ہے (جملہ مکمل ہوگیا)۔ اگلی آیت جو تیسری ہے (خود مرکب ناقص ہے) اگر اسے پہلی دو آیتوں سے علیحدہ کر دیا جائے "سوائے اس کے جو ایمان لائے" یہ استثنا ہے۔ استثنا کے ساتھ مستثنیٰ منہ کا ہونا ضروری ہے۔ مرکزی آیت کے ساتھ پہلی آیت مل جائے تو بھی جملہ مکمل ہو جائے۔ اگر دوسری مل جائے تو بھی جملہ مکمل ہو جائے اور تینوں آیتیں مل کر بھی ایک ہی جملہ بنتی ہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت کی معراج ہے۔

اس سورۂ شریفہ میں خالقِ کائنات نے زمانے کی قسم کھائی ہے۔ یہ زمانہ جو ہمیں ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔ اس کی چادر ازل سے ابد تک تنی ہوئی ہے۔ قسم کا اصل مفاد شہادت و گواہی ہے۔ یعنی زمانہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ اسی کے آئینۂ ایام میں نسلِ انسانی کے واقعات منعکس ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ سے سورۂ العصر کا آغاز ہوا جو اس بات کی طرف بھی بامعنی اشارہ کرتے ہیں کہ مہلتِ عمر تھوڑی ہے اور زمانہ برق رفتار ہے، اس لیے جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر لو، کل پر نہ چھوڑو۔

یہ سورت خسرانِ ابدی سے انسان کے بچاؤ کی چار بنیادی شرائط بیان کرتی ہے۔ اس کی رُو سے ہماری پہلی منزل ایمان ہے۔ دوسری عمل صالح، تیسری تواصی بالحق اور چوتھی تواصی بالصبر۔ ہم دنیا کی ظاہری چمک دمک کو دیکھتے ہیں، مگر کامیابی کا یہ دنیاوی تصور بالکل غلط ہے۔ انسان کی کامیابی کا معیار وہ نہیں جو ہم سمجھتے ہیں بلکہ وہ ہے جو سورۂ عصر میں بیان ہوا ہے۔ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں اور اس کا سرچشمہ قرآنِ مجید ہے۔ اگر یقین ہو تو لازماً اس کا ظہور عمل میں ہوگا۔ ایمان اور عمل حقیقی سطح پر ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ عمل صالح میں پوری شریعت آگئی۔ فعل مجرد کام کو کہتے ہیں اور عمل اس کام کو کہتے ہیں جو محنت طلب ہو۔ عملِ صالح وہ محنت ہے جو انسان کو اس کے اصلی مقام تک پہنچائے۔ ایمان اور عمل کا ربطِ باہمی بھی سمجھ لینا چاہیے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان عمل کا جز ہے مگر امام ابوحنیفہؒ دونوں کو علیحدہ علیحدہ قرار دیتے ہیں۔ ایک قانونی پہلو سے بات کرتے ہیں جس کا تعلق اقرار باللسان سے ہے۔ دوسرے حقیقت کے اعتبار سے کہتے ہیں جو تصدیقِ قلبی پر مبنی ہے۔ دونوں میں بہت زیادہ فاصلہ ہے۔

قول و عمل میں تضاد ہو سکتا ہے مگر جس بات پر یقین ہو اُس کے خلاف عمل نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ

کی عدالت میں وہی شخص مومن قرار پائے گا جس کے دل میں ایمان ہوگا ۔ دونوں صحیح ہیں، صرف نقطۂ نظر کا فرق ہے ۔

تواصی بالحق ۔ اس کا مادہ و ۔ ص ۔ ی ۔ ہے ۔ اسی سے وصیت نکلا ہے ۔ اس کا اطلاق ان باتوں پر ہوتا ہے جو مرنے والا اپنی اولاد سے کرتا ہے ۔ اس لفظ کو بڑی اہمیت ہے ۔ وصیت باب تفاعل سے آیا ہے ۔ تواصی اس کا مصدر ہے ۔ اس وزن پر جب کوئی مصدر آئے گا تو اس میں مبالغہ پایا جائے گا ۔ کسی کام کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کرنا ۔ یعنی بڑی شد و مد کے ساتھ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کریں ۔ حق بھی بڑا مستعمل لفظ ہے ۔ اصلاً حق وہ چیز ہے جو موجود ہے، اس کے برعکس باطل ہوگا، جس کی کوئی حقیقت نہ ہو ۔ چاہے وہ نظر آرہا ہو ۔ حق کی دعوت کے بعد صبر کی منزل ضرور آئے گی ۔ حق کی حمایت کرنا صاحبِ عزیمت لوگوں کا کام ہے ۔ کیوں کہ حق و باطل کا تصادم ناگزیر ہے ـــــ امام فخر الدین رازی کا خیال ہے کہ اس آیت میں بڑی دھمکی ہے ۔ نجات ان چاروں چیزوں کے مجموعہ پر منحصر ہے جن کی نشان دہی سورۂ عصر نے کی ہے ۔

خدا تعالیٰ کو غیر متوازن شخصیت پسند نہیں ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت جبریل کو بارگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ فلاں بستی کو اُلٹ دو ۔ انھوں نے عرض کیا کہ بارِ الٰہا ۔ اس بستی میں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس کا ایک لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں گذرا ۔ حکم ہوا پہلے اس پر عذاب نازل ہو ۔ اس میں حق کے لیے حمیت و غیرت کا جذبہ نہ تھا ۔ اُس نے عزلت نشینی اختیار کی اور خلقِ خُدا کو رشد و ہدایت کی راہ نہ دکھائی ۔

اس سورہ کی روشنی میں ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، کیا ہم میں یہ چاروں چیزیں پائی جاتی ہیں ۔ اگر نہیں تو ہمیں ابدی خسران کے لیے تیار رہنا چاہیے اور نجات کی کوئی امید نہ رکھنی چاہیے ۔